رجسٹرڈ نمبر آصفیہ (۱۸۰)

فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن

ہفتہ وار

مملکت

ایڈیٹر

میر حسن الدین بی اے ال ال بی (عثمانیہ)

رجسٹرڈ نمبر آصفیہ (۱۸۰)

شرح چندہ
سالانہ ... روپے
ششماہی ... روپیہ

شرح چندہ
سالانہ ... روپے
ششماہی ... روپیہ

قیمت پرانا پرچہ (۴ر)

قیمت فی پرچہ (۲ر)

جلد (۹) | ۸ر تیر ۱۳۵۸ف | ۹ر رجب ۱۳۶۸ھ | ۸ر مئی ۱۹۴۹ء روز یکشنبہ | نمبر (۴)

عالمی امن کی تحریک

عالمی امن کی تحریک کے ایک مسلمہ استاد مسٹر ہوریس الگزینڈر نے طلباء جامعہ عثمانیہ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ امید ظاہر کی کہ وہ دن دور نہیں جبکہ دنیا کی قومیں رضاکارانہ طور پر غیر مسلح ہو جائیں گی اور انھیں اپنے ہمسایوں سے کوئی اندیشے نہ ہوں گے۔ مسٹر الگزینڈر نے کہا کہ دنیا میں اب تک کئی بڑی جنگیں ہوئی ہیں اور ہر جنگ کے بعد دنیا کی قوموں نے اپنی دفاعی قوتوں میں اضافہ کیا اور اسلحہ بنائے [illegible] ایک دفعہ عالمی امن کی خاطر ایک بازی لگائی جائے اور تمام قومیں رضاکارانہ طور پر غیر مسلح ہو جائیں۔

مسٹر ہوریس الگزینڈر اس کمیٹی کے صدر نشین ہیں جو شانتی نکیتن میں آئندہ دسمبر میں ہونے والی عالمی امن پسندوں کی کانفرنس کے سلسلہ میں بنائی گئی ہے۔

مسٹر ہوریس الگزینڈر نے ایک عالمی حکومت کے قیام کی ضرورت پر زور دیا اور کہا کہ دنیا میں امن قائم رکھنے کا اب یہی ایک راستہ ہے۔ مسٹر الگزینڈر نے کہا کہ دنیا میں سوائے چند لوگوں کے جو جارحانہ عزائم رکھتے ہیں ہر شخص امن چاہتا ہے لیکن یہ امن کبھی نصیب نہیں ہوا اب دنیا کے آگے اور انسانیت کے آگے انتخاب کے لئے صرف دو ہی راستے کھلے ہیں۔ "ایک دنیا" یا پھر کوئی دنیا ہی نہیں۔ آپ نے کہا کہ جب تک قومیں ایک دوسرے سے ڈرتی رہیں اور آپس میں بدگمانی باقی رہے وہ اپنی دفاع کو مضبوط کرتی رہیں گی۔ اور اسلحہ بنائی جائیں گی۔ اس طرح وہ جنگ کی طرف بڑھتی ہیں اور ایک جنگ ختم ہونے کے بعد بھی پھر یہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس طرح دنیا ایک "حلقۂ معصیت" میں گرفتار ہے جس کو کہیں نہ کہیں ٹوٹنا چاہیئے۔

آپ نے کہا کہ عالمی امن کے سوال پر مختلف مکاتب خیال موجود ہیں۔ ان میں سے ایک کا خیال یہ ہے کہ قوموں کے جو دو حریف بلاک بنے ہوئے ہیں ایک دوسرے سے قریب آ جانا چاہیئے اور ایک عالمی حکومت کے قیام کے خاطر انھیں اپنی قومی آزادی وخود مختاری کے ایک جزو کا ایثار کرنا چاہیئے اس سلسلہ میں ایک تجویز یہ بھی کی جاتی ہے کہ روس اور امریکہ اس معاملہ میں پیش قدمی کر کے "ایک عالمی حکومت" میں شریک ہو جائیں۔ مسٹر الگزینڈر نے سوال کیا کہ اگر ادارہ اقوام متحدہ میں رہ کر یہ قومیں کام نہیں کر سکتیں تو پھر کس طرح ایک ہی حکومت میں کام کرنے کی توقع کی جا سکتی ہے؟

ایک دوسرے مکتب خیال بالخصوص معاشیین کا یہ کہنا ہے کہ اگر قومیں اپنی پیداوار میں اضافہ کریں اور یہ خاطر خواہ ہو تو دنیا میں امن ہو جائے گا۔ لیکن مسٹر الگزینڈر نے یہ رائے ظاہر کی کہ پیداوار دوگنی بھی ہو جائے تو سب کچھ ٹھیک نہ ہوگا کیونکہ اس طرح معیار زندگی اونچا ہو جائے گا اور پھر بھی قلت اور ضرورت باقی رہے گی۔ آپ نے کہا کہ سیاسی یا معاشی طریقوں سے عالمی امن قائم نہیں ہو سکتا۔

پنڈت نہرو نے گزشتہ سال پیرس میں ادارہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں جو تقریر کی تھی اس کے حوالہ سے مسٹر الگزینڈر نے کہا کہ ہندوستان کے وزیر اعظم نے ایک بنیادی نکتہ پیش کیا جبکہ انھوں نے انسانوں کے ذہنوں میں ڈر و خوف کا تذکرہ کیا تھا۔

اس ڈر سے نجات کا ایک ہی راستہ یہ ہے کہ آدمی برائی کے آگے سپر نہ ڈالے۔ مسٹر الگزینڈر نے حاضرین سے سوال کیا کہ جب ایک مرد ناتواں گاندھی جی نے قوت کے استعمال کئے بغیر خاموشی اور عدم تشدد کو ہتھیار بنا کر سلطنت برطانیہ کے اقتدار کو ہندوستان سے نکال باہر کیا تو پھر اس دنیا میں کیا چیز ممکن نہیں ہے۔

مسٹر الگزینڈر نے کہا کہ بیرونی حملہ اور حفاظت خود اختیاری کے نام پر قومیں مسلح ہوتی ہیں اور جنگ کی طرف بڑھتی ہیں نوع انسان کی تاریخ ایسی مثالوں سے خالی نہیں جبکہ شہر کے لوگ مسلح ہو کر جاگتے ہوئے راتیں گذار دیتے کہ کہیں اطراف سے حملہ نہ ہو۔ لیکن اب حالات بدلے ہوئے ہیں اور ممکن ہے کہ قومیں بہت جلد خود بخود غیر مسلح ہو جائیں۔

آخر میں مسٹر الگزینڈر نے اپیل کی کہ لوگ تنگ نظر قومیت کے تعصبات سے بالاتر ہو کر انسانیت اور "عالمی شہریت" کی خدمت کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ اور اس دنیا کو "ایک دنیا" بنائیں۔

گاندھی جی کے فلسفہ کا دور ان کی موت کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتا بلکہ یہیں سے شروع ہوتا ہے وہ صرف ہندوستانی قوم کے ہی قائد نہ تھے بلکہ ساری دنیا کی ایک ممتاز شخصیت کے مالک تھے جن کے فلسفہ اور تعلیم پر ساری دنیا توجہ دینے کا عزم مصمم کر چکی ہے۔

ان خیالات کا اظہار ۲۸ر اپریل کی سہ پہر کو سٹی کالج میں ایک جلسہ عام کو مخاطب کرتے ہوئے مسٹر ہوریس

(باقی صفحہ ۱)

۷۸۶ ۹۲

ہفتہ وار
مملکت
۹ تیر ۱۳۵۹ ف

شذرات

مسلمانوں کو ہمارا مشورہ

معاصر "پیام" نے "جلی کا خزانہ" کے عنوان کے تحت اپنے ۲۶ خورداد کے اداریہ میں ہم پر یہ الزام لگایا ہے کہ ہم مسلمانوں کو رہبانیت کی تعلیم دے رہے ہیں۔ چنانچہ "پیام" نے صاف لکھا ہے کہ ہم یہ تبلیغ کر رہے ہیں کہ مسلمان "ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ" توکل علیہ اللہ مسجدوں میں خانقاہوں میں اور تکیہ گاہوں میں اپنی نجات اور پناہ تلاش کریں۔ اس اداریہ میں معاصر "پیام" نے شاید کسی غلط فہمی کی بنا پر ہمارے مسلک کو غلط طور پر پیش کیا ہے۔ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کو صرف سیاسی کشمکش سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ معاشی کشمکش تو ناگزیر ہے اس سے گریز کرنا موت کو دعوت دینا ہے۔ مسلمانوں کو ہم یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ تم نہ تو سیاسی اقتدار میں حصہ دار بننے کی خواہش رکھو اور نہ ان جماعتوں کے آلۂ کار بنو جو سیاسی اقتدار کے لئے بے چین اور کوشاں ہیں۔ تم بے زر اور بے زمین ہو۔ لہٰذا تم مزدوروں کی طرح زندگی بسر کرو۔ چنانچہ سقوط حیدرآباد کے تین ہفتے بعد ہم نے "مملکت" کی ۳ آذر ۱۳۵۸ف کی اشاعت میں لکھا تھا کہ:۔

> دکن میں مسلمانوں کا مستقبل وہی ہو سکتا ہے جو ایک محنت کش مزدور کا ہوگا۔ خواہ محنت دماغی ہو یا جسمانی۔ دکن کا مسلمان صدیوں کے اقتدار کے باوجود نہ صاحب زمین ہے نہ صاحب زر۔ اس لئے وہ کسان بن سکتا ہے نہ کارخانہ دار یا بینک کار۔ پس مسلمانوں کو چاہئے کہ سیاسی میدان سے ہٹ کر مزدوروں کی انجمنوں میں شریک ہو جائیں اور اپنے معاشی مفادات کو ہندو مزدوروں کے مفادات سے وابستہ کر دیں اور نظم و ضبط کے ساتھ عدم تشدد پر کاربند ہوتے ہوئے اکثریت کا ساتھ دیں۔ ہمارے بعض دیہی مسلمان زرعی مزدور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آئندہ اگر زرعی مزدوروں کی بھی کوئی تنظیم قائم ہو جائے تو دیہی مسلمانوں اس میں شریک ہو جانا چاہئے مختصر یہ کہ ان کی ساری صلاحیتیں اور توانائیاں معاشی اور سماجی تحریکات سے وابستہ رہیں۔ سیاسی اور آئینی مسائل جیسے انڈین یونین میں شرکت، حیدرآباد کی لسانی منطقوں میں تقسیم یا انڈین یونین میں اس کا انضمام، حیدرآباد کا داخلی دستور وغیرہ سے مسلمانوں کو کوئی سروکار نہ رکھنا چاہئے۔ ہندو بھائیوں کی اکثریت جو تصفیہ کرے اس کو قبول کر لینا چاہئے۔

اس کے بعد ۶ فروردی کے اداریہ میں اسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ہم نے لکھا تھا کہ:۔

> اپنے پیشوں کے لحاظ سے مسلمانوں کو یہ ضرور چاہئے کہ متعلقہ ٹریڈ یونین میں شریک ہو جائیں لیکن ایسے مسائل مثلاً ملک کا آئندہ دستور کیا ہو، حیدرآباد کے حصے بخرے کئے جائیں یا اس کی کالیت کو برقرار رکھا جائے، نئی مقننہ میں نمائندگی کا تناسب کیا ہو، انتخابات جداگانہ ہوں یا مخلوط وغیرہ سے دور رہیں۔ ریاست کے سارے مسائل کا حل دریافت کرنے کی ذمہ داری ہندو بھائیوں پر چھوڑ کر ان کی اکثریت کے فیصلے کو قبول کرنے پر مسلمانوں کو اپنی آمادگی کا اظہار کر دینا چاہئے اور ملک کی ہر اس جماعت سے مسلمانوں کو تعاون کرنا چاہئے جو انہیں فراہمی روزگار میں مدد دے یا معاشی اصلاح کے مواقع فراہم کرے۔ اگر دکن کے سارے مسلمان اس مسلک کو قبول کر لیں تو اس سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں کے اندر قیادت کے جھگڑے ختم ہو جائیں گے اور سیاسی الجھنوں سے فراغت پا کر وہ معاشی اور اخلاقی پروگرام کی تکمیل کے لئے اپنا پورا وقت دے سکیں گے۔

اس وضاحت کے بعد قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں معاصر "پیام" کا اعتراض کس حد تک حق بجانب ہے۔ ہم نے یہ مشورہ اس وقت دیا تھا جبکہ سقوط حیدرآباد کو معاصر "پیام" "انقلاب اور جمہوری قوتوں کی فتح" سے تعبیر کر رہا تھا اور آج کچھ اور ہی راگ الاپ رہا ہے۔ معاصر "پیام" بھی مسلمانوں کو ٹریڈ یونین میں شرکت کا مشورہ دے رہا ہے مگر اس مشورہ کے پیچھے جو محرکات کام کر رہے ہیں وہ ابھی تحقیق طلب ہے۔

مدیر پیام ذرا باہر نکلیں

معاصر "پیام" اپنے ۲۹ خورداد کے اداریہ میں اصل مسئلہ سے گریز کیا ہے۔ یہ ایک عام سوال ہے کہ ہر وہ ادارہ جو جمہوریت اور عوام دوستی کا نعرہ لگا کر میدان میں آتا ہے اور بالآخر بجائے عوام کو چند افراد کے سپرد کر دیتا ہے تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ کمیونسٹ پارٹی جس کی ترجمانی کا فخر فی الوقت "پیام" کو حاصل ہے، اس عام رجحان کے خلاف عمل کرے گی اور فی الواقعی "کھلی ہوئی فسطائیت" اور "محنت کش عوام" کو سہارا دینے کی خاطر "طالب مفادات"

تو قلع قمع کرے گی؟ ۔ اصل سوال بس یہی ہے ۔ اس کا جواب معاصر "پیام" سے ہنوز وصول طلب ہے ۔ اگر نلگنڈہ اور ورنگل میں جو کچھ ہو رہا ہے وہی کمیونزم ہے تو دیکھنا چاہیئے کہ وہاں کیا ہو رہا ہے ۔ وہاں یہ ہو رہا ہے کہ جو سرمایہ دار زمیندار کمیونسٹ پارٹی کو معقول چندہ دیتا ہے وہ محفوظ ہو جاتا ہے اور جو ایسا نہیں کرتا اس کی دولت ، اس کا غلہ اور جنس بکری منظم کر لی جاتی ہیں ۔ اگر اختر صاحب کو اس بیان کی صداقت میں شبہ ہو تو وہ مہربانی فرما کر شہر حیدر آباد کی دلفریبیوں سے منہ موڑیں اور چند ماہ نلگنڈہ اور ورنگل کے مواضعات میں بسر کریں تب انھیں پتہ چلے گا کہ کتابی کمیونزم اور اضلاع تلنگانہ کے کمیونزم میں کس قیامت کا تفاوت ہے ۔ اگر اختر صاحب اسی نتیجہ پر پہنچیں جو ہم نے اخذ کیا ہے یعنی کہ ایک جماعت کمیونزم کے نام اور اصولوں کو استحصال ناجائز کا ذریعہ بنا رہی ہے تو ہمیں یقین ہے کہ ہماری طرح اختر صاحب بھی [illegible] یہی مشورہ دیں گے کہ اولاً تعلیم اور تجربہ کی روشنی میں حق و باطل ، دوست دشمن کھرے کھوٹے میں تمیز کرنے کا شعور پیدا کرے اور جب تک یہ شعور پیدا نہ ہو جائے ہر تیز رو کے ساتھ تھوڑی دور چل کر خفت اور مصیبت اٹھانے سے پرہیز کرے ۔ اختر صاحب کا یہ بیان کہ اس دور میں ہندو مسلمان عیسائی کی اصطلاح میں سوچنا ایک تعیش ہے اُن کی حقیقت ناشناسی کا بین ثبوت ہے ۔ اختر صاحب کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ وہ اور اُن کا خاندان صرف بلدہ میں مقیم تھا مگر بلدہ کے ایک ایسے محلہ میں جو بالکلیہ مسلمانوں کا محلہ ہے ۔ اگر خدانخواستہ ۱۳ ستمبر کے بعد کے مہینوں میں اختر صاحب کسی ضلع یا تعلقہ کے دیہات میں ہوتے تو ان کو پتہ چلتا کہ ہندو اور مسلمان کی اصطلاحات کتنی تلخ حقیقتوں کو اپنے اندر سموئے ہوئی ہیں ۔ شہر کی محفوظ فضا میں اس قسم کی خیال آرائی اُن مسلمانوں کے لئے وجہ تسکین نہیں ہو سکتی جو بلدہ سے دور ایسے تجربات کے شکار ہو چکے ہیں جن سے خدا دشمن کو بھی دوچار نہ کرے ۔ ہماری رائے ہے کہ اختر صاحب کے ادارے حقائق سے قریب اس وقت ہوں گے جب خود وہ صرف اضلاع اور تعلقات کا دورہ کریں گے ۔

عجیب اتفاق

یہ عجیب اتفاق ہے کہ ۱۳ ستمبر کے بعد سے شہر میں جب کبھی آتشزدگی کا حادثہ پیش آیا تو اس آتشزدگی کا شکار شہر کے کسی نہ کسی محلہ کا مہاجرین کیمپ تھا ۔ اتفاقات کچھ اس تواتر اور سرعت سے وقوع پذیر ہوتے گئے کہ مہاجرین ـــــ یعنی انڈین یونین کے وہ ستائے ہوئے مسلمان جنھوں نے ایک سال قبل دکن کو گوشۂ عافیت سمجھا تھا ـــــ ایسا یہ سمجھنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ انھیں بھگانے کے لئے یہ صورت اختیار کی جا رہی ہے لیکن ہم تو ان واقعات کو اب بھی اتفاقات پر محمول کرتے ہیں ۔ گو بات ہے بہت عجیب ۔

روس اور امریکہ کہیں متحد نہ ہو جائیں؟

معلوم ہوا ہے کہ برطانیہ اس کوشش میں ہے کہ برلن سے متعلق روس اور امریکہ کی بات چیت میں خود کو اور فرانس کو جلد از جلد شامل کرا دے ۔ باوثوق ذرائع سے اس کا انکشاف ہوا ہے کہ مشرق و مغرب کے اس معاہدے میں جو [illegible] ہو رہی ہے وہ چاروں ممالک کے وزرائے خارجہ کی ملاقات کا تعین ہے جس کے بعد ہی ناکہ بندی برخاست کر دی جائے گی ۔ مغربی قوتوں کی یہ کوشش ہے کہ یہ معاہدہ پایۂ تکمیل و تشہیر جلد ہو جائے کیونکہ اگر یہ طے نہ ہو سکا تو وہ اپنے مقرر کردہ منصوبے کے تحت جولائی میں مغربی جرمنی میں حکومت قائم کر سکیں ۔ برخلاف اس کے سمجھا جاتا ہے کہ روس نے اتحادیوں کے اس منصوبے کو ناکارہ کرنے کے لئے دورہ کی مدت کا تعین کیا ہے ۔ اگر یہ تاریخ جون کے آخری ایام کے لئے مقرر ہو تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ یکم جولائی سے مغربی جرمنی کی حکومت کے قیام کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا ۔

چونکہ مغربی قوتیں جون میں گفتگو کرنا چاہتی ہیں اور روس جون کے آخر میں ۔ امریکہ نے معاملات کی پیش رفت سے برطانیہ اور فرانس کو باخبر رکھا ہے ۔ لیکن برطانوی حلقوں کا خیال ہے کہ ابتدائی بات چیت ختم ہو چکی ہے ۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ آئندہ بات چیت کی تاریخ کا قطعی تعین کیا جائے ۔ اور برطانیہ کا خیال ہے کہ اس کی اور فرانس کی بھی اس میں براہ راست آواز ہونی چاہئے ۔ پیرس کے اخبار "فرانس سوئر" نے خبر دی ہے کہ روس امریکہ سے بات چیت کو طول دینے کی طرف مائل ہے روس کا مطالبہ ہے کہ تمام اہم مسائل براہ راست بات چیت میں طے کئے جائیں گے اور وزرائے خارجہ کی ملاقات دیر میں اس بات چیت کی توثیق کے لئے طلب کی جائے ۔ ایسی خبروں سے برطانیہ بہت پریشان ہو رہا ہے اسے ہر دم یہ خطرہ ہے کہ کہیں روس و امریکہ متحد نہ ہو جائیں ۔ ان کا خیال ہے کہ روس اس طریقہ کو پسند کرے گا ۔ برطانیہ کو اس وقت بے چینی پیدا ہوئی جبکہ امریکہ نے اپنے چیف جسٹس کو ماسکو بھیجا تاکہ مارشل اسٹالن سے راست طور پر گفتگو کی جائے ۔ اس لئے اب جبکہ ابتدائی بات چیت ختم ہو چکی ہے برطانیہ کو اس بات کا احساس ہو رہا ہے کہ اب اسے فرانس کو بھی طلب کر لیا جائے اور ایسی صورت حال کو ختم کر دیا جائے جس میں امریکہ مہینوں مغربی دول کے نمائندہ کی حیثیت کا حامل ہے ۔ (باقی بر صفحہ [illegible])

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

بلا تنقید :-

مسٹر ردا نگھاہے ایک بیان میں کہتے ہیں کہ حیدرآباد میں فوجی حکومت امن وامان کی بحالی کی کوشش کر رہی ہے۔ مکمل طور پر حالات قابو میں نہیں ہیں۔ غیر سماجی عناصر کی تخریبی سرگرمیاں ہنوز جاری ہیں۔ ڈاکٹر میلکوٹے کا حالیہ بیان اس امر کا ثبوت ہے کہ وہ جذبہ خدمت سے زیادہ وزارت اور عہدوں کے خواہش مند ہیں۔ وزارتی کرسیوں پر نظر جا کر مسائل پر غور کرنا ودر کی روا نہیں ہے۔ (ماڈرن نیوز)

ایک مراسلہ نگار نے لکھا ہے کہ :-

دو مسلم جریدہ نگاروں نے جو ۱۷ ستمبر سے قبل مجلس اتحاد المسلمین کی روح رواں تھے ایک مشہور کانگریسی مسلمان کی خدمت میں یہ پیش کش کی ہے کہ اگر کانگریس یا اس کے سرمایہ دار کچھ مالی امداد کریں تو کانگریس کی تائید میں ایسا پروپگنڈا کیا جائے گا کہ عالم کا نقشہ ہی بدل جائے اور یہ دنیا بارونق ہو جائے۔

اگلے مسلمانوں کی امامت تو ایسے ہاتھوں میں نہ تھی !۔ خدا بھلا کرے رزاقی کا کہ وہ مسلمانوں کو کیسی کیسی قلابازیوں پر مجبور کر رہی ہے۔

ہندوستان نے چینی کمیونسٹ حکومت کو تسلیم نہیں کیا۔ (اخباری سرخی)

معاصر "پیام" نے تو تسلیم کر لیا۔

اس مجموعہ میں ہندوستان شاہ کو جواب دولت مشترکہ کے صدر کی حیثیت رکھتے ہیں دولت مشترکہ کے ارکان کے مابین آزادانہ

تعلقات کا آئینہ دار کہے گا۔ (ایک خبر)

شاہ ہے برطانوی مندر میں اک مٹی کا بت
جس کو کر سکتے ہیں جب چاہیں پجاری پاش پاش
ہے یہ مشک آمیز افیون ہم غلاموں کے لئے
ساحر انگلیش مارا خواجۂ دیگر تراش
(اقبال)

معاصر "پیام" تحریر کرتا ہے کہ :-

ریاست حیدرآباد کے جیل خانوں میں سیاسی قیدیوں اور نظر بندوں کے ساتھ جو افسوسناک سلوک روا رکھا جا رہا ہے اس کی جانب ہم کئی بار حکومت کو متوجہ کر چکے ہیں۔

توجہ دلانا آئینی طریقہ ہے اور معاصر "پیام" اعلان کر چکا ہے کہ وہ آئینی طریقوں کا قائل نہیں بلکہ انقلابی طریقوں کو پسند کرتا ہے۔ معاصر موصوف کو کہنا چاہئے تھا :-

گر کیا پولس نے ہم کو قید اچھا یوں ہی سہی
یہ جنوں جو خبط ہے اندازِ فرماتے گئے کیا؟

ماڈرن نیوز کا بیان ہے کہ :-

بعض سنجیدہ مسلمانوں نے کہا کہ مجلس اتحاد المسلمین کا سرمایہ ایک کمیٹی کے سپرد کیا جائے جو ریلیف کمیٹی اور جمعیت علماء کے کارکنوں پر مشتمل ہو۔

جمعیت کا نام پڑھ کر ایک صاحب کہنے لگے :-

جدھر جنید ہو اُدھر بندہ

ڈاکٹر میلکوٹے نے ایک بیان میں مشاورتی کمیٹیوں کی تجویز کی مذمت کی اور مسٹر ہر شچندر ہیڈا نے ان کمیٹیوں سے اشتراک عمل کرنے کا مشورہ دیا۔ (ایک خبر)

انقلاب زندہ باد جمہوری قوتوں کی فتح ہوگا

ایک معاصر شاہد صدیقی صاحب کا روزنامچہ شائع کر رہا ہے۔ ایک مراسلہ نگار نے مشورہ دیا ہے کہ اگر شاہد صدیقی صاحب ۱۷ ستمبر سے پہلے کا روزنامچہ شائع کردیں تو بہت سے ادیبوں کو سماجی مسائل حل کرنے میں مدد ملے گی۔

معتمد عمومی ریاستی ہندو مہا سبھا ایک بیان میں کہتے ہیں کہ :-

حیدرآباد کے مسلمان ریاست میں کمیونسٹ سرگرمیوں کی مذمت نہیں کر رہے ہیں۔ مسلم اخبارات کا ایک گروہ دوسری جانب سے کمیونسٹوں کی تائید کر رہا ہے

اس بیان کو پڑھ کر حیدرآباد کے مسلمان سوچ رہے ہیں :-

آزمودہ فتنہ ہے کیا اور بھی گردوں کے پاس؟

معاصر "پیام" کو شکایت ہے کہ :-

آج ملک کی رجعت پسند طاقتیں جس مقصد کے تحت ہندی کا پرچار کر رہی ہیں خود ہندی زبان اور ادب کو اس سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے ہندی اور اردو کے قریبی ربط کو توڑنے اور عوام میں پھوٹ ڈالنے اور ان میں ایک اندھی قوم پرستی کے رجحانات پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

شاید معاصر "پیام" کو یاد نہیں رہا کہ اس نے حیدرآباد کے سقوط کے بعد دیو ناگری رسم الخط کے ساتھ ہندی کو مشترکہ زبان بنانے کی تلقین کی تھی اور آج اس کو رجعت پسندی سے تعبیر کر رہا ہے۔ حافظہ کی کمزوری بھی شاید ترقی پسندی کی ایک علامت ہے۔

یہ بھول بھی کیا بھول ہے یہ یاد بھی کیا یاد

جو لوگ مسلمانوں کو سیاسیات سے الگ رہنے کا مشورہ دے رہے ہیں وہ حیدرآباد میں رہنے والے نہیں ہیں۔ (مسٹر باقر علی مرزا)

ہم مسٹر باقر علی مرزا سے بھی قدیم حیدرآبادی ہیں۔

قومی زبان کا مسئلہ

معاصر "ہماری آواز" کا تبصرہ

عام طور پر ادھر اُدھر سے جوشیلی تقریروں کی اطلاعات ملی ہے۔ جن میں کہیں تو ہندی اور کہیں ہندوستانی زبان کو قومی زبان بنانے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اُردو زبان کا تو اب ذکر ہی نہیں ہوتا۔ اور ہندی اور ہندوستانی کے مقابلہ میں اُردو ایک غیر متعلق سی چیز ہو کر رہ گئی ہے

پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم ہند نے دہلی یونیورسٹی کے سنٹرل انسٹی ٹیوٹ کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے فرمایا۔ اُردو کا نام کانگریس نے ہندوستانی رکھا ہے اور ہندوستانی رسم الخط کی تفصیل میں ہندی ہندی کے ساتھ اردو کو شمار کراتی رہی ہے۔ اب اردو رسم الخط ہندوستانی کی اصطلاح میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ پھر اُردو کا نام ہندی کے مقابلہ میں کیسے آئے اور کیسے ٹکرائے۔ اُردو کو میدان سے باہر کرنے ہی کے لئے ہندوستانی کی اصطلاح وضع کی گئی تھی۔ وہ مقصد آج پورا کیا جا رہا ہے اُردو کے حامیوں میں بھی بعض نافہم لوگوں نے اُردو دشمنی ختم کرنے کے لئے ہندوستانی کی اصطلاح کو قبول کر لیا تھا۔ درآں حالیکہ یہ بالکل غلط تھا۔ ہندی اور ہندوستانی کی بحث کرنے والے زیادہ تر وہی اصحاب ہیں جو اُردو رسم الخط میں سنسکرت آمیز ہندی دیکھنا چاہتے ہیں۔ پس اردو بےچاری کا نام کون لے۔

پہلے ہندی کے مقابلہ میں اُردو کو ہٹانے کے لئے اُسے ہندوستانی کا نام دیا گیا یا اس کے ذیل میں شمار کیا گیا۔ اب ہندوستانی کے وجود سے انکار کر کے اردو کے خاتمہ کی کھلم کھلا تبلیغ کی جاتی ہے۔ یو۔ پی ہندی ساہتیہ سمیلن کے آخری اجلاس میں مسٹر کملا تریپاٹھی نے ارشاد فرمایا کہ:-

شمالی ہند میں دو زبانیں بولی جاتی ہیں ایک ہندی دوسری اُردو ہندوستانی کوئی زبان نہیں ہے۔ ہندوستانی اُردو ہی کا دوسرا نام ہے جو لوگ ہندوستانی کے پردہ میں اُردو کو قومی زبان بنانا چاہتے ہیں ان کو ہمت کر کے اعلان کر دینا چاہیے جب شمالی صوبوں کے مسلمان ان صوبوں کی زبانوں کو اپنی زبان سمجھتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ یو۔ پی کے مسلمان ہندی کو اپنی زبان نہ خیال کریں۔

ترپاٹھی جی کے نزدیک اُردو مسلمانوں کی زبان ہے لہٰذا وہ زعمائے کانگریس کو چیلنج کرتے ہیں کہ اُسے قومی زبان بنانے کا اعلان کریں۔ گویا اُردو کو قومی دائرہ سے اخراج کے لئے اُسے مسلمانوں کی زبان ٹھہرایا جا رہا ہے۔ آزادی ملنے کے بعد ہر چیز پر حملہ کرنے کے لئے یہ نسخہ ایجاد ہوا ہے کہ اُسے مسلمانوں سے متعلق قرار دیا جائے۔ چنانچہ انداز ذبیحہ میں بھی یہی ذہنیت کام کر رہی ہے۔ ذبیحہ کے ذریعہ سے ملک اور قوم کو پہنچنے والے فوائد کا لحاظ برطرف۔ دھن ہے تو یہ کہ مویشی کا ذبیحہ بند ہو جائے کیونکہ خالص مسلمانوں کی چیز ہے اور یہ طریق فکر و اسلوب کار غضب تو یہ ہے کہ فرقہ واریت نہیں بلکہ عین قوم پروری ہے۔ البتہ اُردو کی بقا اور ذبیحہ کے قیام پر اصرار کیا جائے تو عین فرقہ پروری اور وطن دشمنی ہے۔

ہندی کو قومی زبان تسلیم کرنے سے مسلمانوں نے انکار ہی کب کیا ہے۔ لیکن اُردو کے قتل پر وہ کیسے راضی ہو جائیں؟ کیا محض اس لئے کہ وہ صرف ان کی زبان قرار دیدی گئی ہے اور اسی علت میں اُسے تباہ کرنے کی کوشش ہو رہی ہے جمعیت علماء کے حالیہ اجلاس میں وزیر اعظم یو۔ پی نے زبان کے مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ:-

ہندی سے میرا مطلب وہ زبان ہے جو اس صوبہ میں بولی جاتی ہے جس میں اُردو بھی شامل ہے۔

پنڈت پنت نے اُردو کو ہندوستانی بلکہ بجائے ہندی کے پلو سے باندھ دیا۔

جب ہندوستانی سے مراد اُردو ہے اور ہندی سے بھی مراد اُردو ہے تو پھر اُسے قومی زبان کے دائرہ خارج رکھنے کے لئے شور کیوں ہے۔

جمعیت علماء کے حالیہ اجلاس میں پنڈت پنت وزیر اعظم نے فرمایا کہ:-

ہندی اور اُردو کے سوال کو مذہب سے ملانا غلط ہے۔ جس طرح ہندی کی ترقی اور اشاعت میں ہندو اور مسلمان برابر کے شریک تھے۔ اسی طرح اُردو کے لئے بھی مسلمانوں اور ہندوؤں نے برابر کی کوششیں کی ہیں۔

پنڈت جی کے اس قول سے اختلاف کی گنجائش نہیں نکلتی۔ پھر سوال یہ ہوتا ہے کہ یو۔ پی گورنمنٹ سرکاری دائرہ سے اُردو کو کیوں خارج کیا؟ اردو کی درخواستیں تک سرکاری دفاتر میں نہ لی جائیں یہ کیا ستم ہے۔ ہندی اسکولوں میں لازمی زبان قرار دی گئی۔ لیکن اُردو کے لئے ثانوی حیثیت سے تعلیم کا بندوبست نہیں ہے۔ مگر رفتہ رفتہ تعلیم تو اختیاری زبان کے لئے ایسی تدبیر ایجاد کی ہے کہ لڑکوں کو بدرجہ مجبوری اُردو سے ہاتھ اٹھانا پڑتا ہے۔ اکثر مدارس میں اساتذہ نے اردو کے نام سے طلبا کا داخلہ ہی روک دیا ہے۔ اور اکثر نے اُردو کی تعلیم کا بندوبست ہی اسکول سے خارج کر دیا۔

بیشک مذہب سے اُردو زبان کا تعلق نہیں ہے۔ لیکن مسلمانوں کا سارا مذہبی سارا سرمایہ عربی اور فارسی کے بعد اُردو ہی میں ہے۔ اس طرح مسلمانوں سے تو خصوصی تعلق ہے۔

اسی اجلاس میں مولانا حفظ الرحمٰن ناظم جمعیت علماء نے ارشاد فرمایا کہ:-

راشٹر بھاشا کے مسئلہ میں بحث کرنے کے لئے جمعیت کا پلیٹ فارم نہیں ہے اس کے واسطے کانگریس اور ہندوستانی پرچار سبھا کا پلیٹ فارم موجود ہے زبان کا تعلق مذہب سے نہیں ہوا کرتا مسلمان عرب اور ایران سے اُردو لے کر نہیں آئے تھے وہ اسی سرزمین کی پیداوار ہے۔

حضرت مولانا مدنی نے اپنے خطبہ صدارت میں ارشاد فرمایا کہ:-

ہم یقیناً چاہتے ہیں کہ جس طرح کانگریس طے کر چکی ہے اور جس کی مہاتما گاندھی آخر وقت تک تائید کرتے رہے ہیں ہندوستانی زبان پورے ملک کی قومی زبان ہو۔ اور رسم الخط دیوناگری بھی ہو اور اُردو بھی۔ ہماری یہ خواہش اس لئے نہیں کہ اُردو زبان ہمارے مذہب کا ایک جزو ہے۔ یا اس کا تعلق مذہب اسلام کے ساتھ ایسا ہے کہ دوسری

(باقی [illegible])

عدالت

افسانہ

ترلوک ناتھ کشمیری

صوفیوں کے عقیدہ کے مطابق دنیا فانی ہے۔ اور اس کی رنگینیاں ایک پھندا ہے جس میں دنیا والے پھنس پھنس کر اپنی گردنیں ڈالتے ہیں۔ عیاشی کے نزدیک یہ سب لغو ہے۔ وہ فکر امروز اور غم فردا سے بالاتر ہے۔ ماضی کو ایک خواب سمجھتا ہے۔ جو خوش فہمیوں اور مسرت کے ساتھ منڈلاتا ہوا یاد کرنے کے قابل مگر...... تلخیاں...... ماضی کی تلخیاں یاد کرکے کون زمانۂ حال کو بھی پھیکا اور بے جان بنائے گا ـــ خدائی کیا ہے ـــ خدا کی مخلوق ...... اور اور خدا ـــ جو اگر تھا بھی کئی صدیاں ہیں جس کو بیتے صدیاں گزر گئیں۔ اس خدا اور آج کے خدا میں۔ زمین آسمان کا فرق ہے۔ آج کا خدا روئے زمین پر مصنوعی آدمی کی طرح چلتا ہے پھرتا ہے۔ کھاتا ہے سوتا ہے۔ اس کو آپ کسی بھی وقت دیکھ سکتے ہیں۔ اس سے ملاقات کر سکتے ہیں۔ مگر مجھے ناگوار ہے کہ میں ان خداؤں کا ذکر چھیڑ کے اس سادہ بے مزہ بناؤں جو کہ میں نے ابھی مکمل کرنی ہے یعنی دنیا کی رنگینیاں۔ خدا اور اس کی خدائی۔ حقیقت میں کہنا چاہتا تھا۔ ان پر میں کچھ لکھ نہیں سکتا۔ کیونکہ چاروں طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ ہونے کا اندیشہ ہے۔ اور میں اعتراضات کا جواب دینے سے کتراتا ہوں۔ تو پھر کس موضوع پر لکھنا شروع کروں۔ خواب ـــ ہاں۔ خواب ـــ میں چاہے کچھ بھی لکھوں۔ کوئی کچھ کہنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ میرا ایک ہی جواب ہوگا ـــ مختصر سا جواب "کہ میری آنکھ کھل گئی" ـــ

دو فرشتوں نے جن کی نازک کمر کے گرد پیٹیاں کمربند حائل تھے اور ان کمربندوں میں لگے ہوئے تیز دار چمکتے لشکارے تھے۔ میرے بازوؤں کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ اور آناً فاناً ہتھکڑی پہنا دی۔

میں نے گھبرا کر پوچھا۔ "مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟"

"آج تمہارا روز حساب ہے۔ ہمیں حکم ملا ہے کہ تم کو گرفتار کرکے خدا میاں کی عدالت میں لے جائیں۔"

میں نے اپنے بازوؤں کو چھڑانے کی ناکام کوشش کی اور ان کی گرفت بڑھتی گئی۔ وہ مجھے لے کر چل دیئے۔ اور میری بیوی۔ بچے روتے ہوئے رہ گئے اور نیچے آسمان کی تنہائیوں میں سفید براق۔ عجیب کالے بادلوں کے بیچ میں سے وہ مجھے لے گئے ـــ ایک عجیب سی جگہ تھی وہ۔ روشنی چاروں طرف مگر سورج کا نام و نشان نہیں۔ کمرہ سا تھا وہ مگر عمارت نہیں۔ وہاں میری طرح اور بھی بہت سے آدمی موجود تھے۔ جن کی کہنیوں کو موڑ کر پر باندھا گیا تھا مجھ کو انھوں نے ایک طرف کھڑا کر دیا۔ اس کے بعد ایک پولیس افسر نے مجھے یوں مخاطب کیا ـــ کیا تم اسی گروہ سے تعلق رکھتے ہو۔ اور اس نے قیدیوں کی جماعت کی طرف اشارہ کیا جو کہ صدر دروازہ کے دائیں طرف ایک قطار میں کھڑے تھے۔

"نہیں"۔ میں نے کہا "وہ کون ہیں؟"

آہ اب مجھے خیال آ رہا ہے کہ یہ فضولیات لکھ کر میں نے آپ کی سمع خراشی کر رہا ہوں جو کچھ میں نے ابھی تک لکھا ہے اس کو پھاڑ کر پھینکنے سے قاصر ہوں۔ لیجئے اب میں کہانی سناتا ہوں۔

وہ اکیلا تھا۔ اور اکیلے پن تنہائی سے گھبراتا تھا۔ اُسے ایک ساتھی کی شدت سے ضرورت تھی۔ وہ ساتھی جو کہ دن رات اس کو تنہا نہ رہنے دے یا تو وہ کرسی پر بیٹھ کر کچھ سوچ رہا ہو یا پلنگ پر لیٹ کر سونے کی کوشش کر رہا ہو۔ اور آخر اسی جستجو میں تلاش بسیار کے بعد اس نے ایک ساتھی چن لیا اور بڑی دھوم دھام سے اس کو اپنے کرایہ کے مکان میں لے آیا۔ اب وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کی راتیں سونی نہیں تھیں۔ جیسا کہ دستور ہے وہ ایک سے دو ہوا۔ دو سے تین ایک سے تین جب ہوا۔ تو اس کی زندگی میں ایک انقلاب آیا۔ اس کے ملک میں ایک انقلاب آیا۔ اس کی سیاسی سماجی اور معاشی زندگی میں ایک انقلاب آیا۔

اس کا ملک خون کا ایک قطرہ بہانے پر آزاد ہوا۔

اس کا سماج فتح و نصرت کی شراب کو نہ پی سکا۔ کوئی تن بدن کا ہوش نہ رہا۔ اور وہ سماج عالم بدمستی میں تباہ ہوا اور زیرِ لب بڑبڑاتا ہوا منہ کے بل زمین پر پڑا ہوا تھا اس کی زبان سے کچھ بے جوڑ سے الفاظ نکل رہے تھے جن کو اگر جوڑا جائے تو مطلب کچھ یوں نکلتا ہے۔ "ہاں کہ میں نے بہت ہی زیادہ شراب پی ہے۔ مگر بیت ہوا اگر میں اس وقت شاہی پر آرام سے لیتا ہوں"۔

اس کا ملک خون بہائے بغیر آزاد ہوا۔ مگر آزادی ملنے کے بعد پر موت کے ناچ ہونے لگے۔ آزادی کے بعد خون بہنا شروع ہوا۔ اور اتنا خون بہا۔ بحیرہ عرب اور بحیرہ بنگال کے پانیوں رنگ بھی گہرے لال میں تبدیل ہوا۔

معاشی زندگی۔ آہ کچھ نہ پوچھیے۔ وہ کئی ایک جگہ نوکری کر چکا تھا۔ ایک جگہ سے بڑی مشکل سے نکالی گئی۔ مالک نے جس کے کارخانے میں وہ منیجر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا اس کی سن کو بچانے کی ناکام کوشش کی۔ اس کا خون کھول اٹھا۔ مگر مجبور تھا۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ اس نے جا کر اپنے مالک کو وہ سب کچھ سنا دیا جو کہ وہ کہنا چاہتا تھا۔ "اے ارضی خدا ـــ تو ذلیل ہے۔ تو چند سکوں کے عوض مجبوروں اور لاچاروں کی عزت کا جنازہ نکالنے پر تلا ہوا ہے۔ تم اور تمہارے ایسے دوسرے بے غیرت مجبوروں پر لعنت ہو۔ جو کہ سوسائٹی کے جسم پر جونک بنے ہوئے دن رات خون چوستے جا رہے ہیں۔ تم کو تو گولیاں دے دے کر بے کسوں کی آزادی۔ ان بہنوں بیویوں اور ماؤں کو خریدنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ میں چاہوں تو تمہارا گلا گھونٹ سکتا ہوں ابھی اور اسی جگہ۔ مگر تم نے اپنی موت مرنا ہے۔ ٹھہرو ذرا ـــ

ـــ اس کے بعد دنیا اس کی نظروں میں تنگ تھی۔ رنجیدہ خاطر آزاد ہو اپنے گھر واپس آگیا۔ اور کرسی پر بیٹھ کر سر کو میز کی سطح پر رکھ دیا۔ اس کے سامنے والی دیوار کے بیچ قائداعظم، پنڈت نہرو اور دوسرے مشاہیر کی تصویریں لٹک رہی تھیں۔

شام کو وہ کھانے پر بیٹھا۔ موٹے چاول۔ اور املی کی چٹنی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے چاول اٹھا کر اس کی ایک گیند بنائی۔ اور اس پر تھوڑی سی چٹنی رکھ کر۔ قائداعظم پنڈت نہرو اور دوسرے مشاہیر کی تصویروں کو پیش کیا۔ مگر وہ خاموش اس طرف دیکھ رہے تھے۔ قائداعظم کے چہرے سے سنجیدگی ٹپک رہی تھی اور پنڈت نہرو کے لبوں پر ایک دلکش سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی اور وہ ان کی طرف دیکھ رہے تھے ایسے ہی جیسے ابوالہول اپنے سر پر آنے والی ایک تیسری کو دیکھتا ہوا ریگستان میں پڑا رہتا ہے
اپنی جگہ ہوں ـــ ست کہا۔ اس نے ...

(باقی ہے)

دولت مشترکہ کا نیا فارمولہ

ہندوستان قائدین کا رد عمل

مستقبل کے جمہوریہ ہندوستان کی مکمل اور مساوی رکن کی حیثیت سے دولت عامہ میں رکھنے سے متعلق لندن کی وزراء اعظم کی کانفرنس نے جو فارمولہ مرتب کیا ہے اس کا ہندوستان کی رائے عامہ میں عام طور پر خیر مقدم کیا جا رہا ہے۔ اشتراکی اور ہندو مہاسبھائی نقطۂ نظر اس لندن کے معاہدہ سے متعلق سخت تنقید کی ہے۔ یہاں ملک کے چند بڑے سیاسی قائدین کے نقطۂ نظر کو اختصار سے پیش کیا جاتا ہے۔ سردار ولبھ بھائی پٹیل نائب وزیر اعظم ایک جرأت آمیز اور اہم اقدام ہے۔ اس سے ہندوستان کو اپنا دستوری موقف برقرار رکھنے کی پوری پوری اجازت حاصل ہو سکتی ہے۔ جو ہمارا تصور ہے۔

صدر کانگریس ڈاکٹر پٹابھی سیتارامیا نے بیان کو سمجھونہ سکا کر تاج برطانیہ آزاد رکن اقوام کے آزادانہ رشتہ کی ایک علامت ہے اور اس کے ساتھ ہی دولت مشترکہ کا صدر ہے۔

کانگریس کے معتمد کالا ونکٹ راؤ برطانیہ اور قوموں نے ہماری دوستی کو حاصل کر لیا ہے۔ اسوتوش لہری معتمد ہندو مہاسبھا ہم نے خود معاہدہ کو کھو دیا۔ اور سایہ کو پکڑ لیا ہے۔ انڈین نیشنل لیبر فیڈریشن کے صدر ڈی۔ آر۔ ونکٹ رام شاستری بڑی مسرت کی بات ہے کہ جمہوریہ ہند کو دولت مشترکہ میں رکھنے کے لئے ایک حل دریافت کر لیا گیا۔

ناگپور ٹائمز نے لندن کے فیصلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ برطانیہ کی ایمانداری اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ اس پر جمہوریہ بننے سے متعلق ہندوستان کے فیصلہ کا اثر ہو۔ ایک فارمولہ دریافت کیا گیا ہے۔ جو وقت واحد میں بادشاہت اور جمہوریہ دونوں پر حاوی ہے۔ اس کی خصوصیت سادگی ہے۔

اشتراکی جمہوری جماعت کے بانی اور صدر مسٹر سرت چندر بوس نے کہا ہے کہ گزشتہ سات روز میں لندن میں جو کچھ ہوا اور جو گزشتہ شب کو ختم ہوا ہے اس کو ان الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے ایک زبردست دھوکہ۔

مشرقی پنجاب کے واحد انگریزی روزنامہ ٹریبون (انبالہ) نے اپنے اداریہ میں لکھا ہے دولت مشترکہ کے وزراء اعظم کی کانفرنس کا نتیجہ معاہدہ لندن اگر ایک کامیابی ہے تو یہ مسٹر اٹلی کی سیاست کی کامیابی ہے۔ اخبار ہندو لکھتا ہے کہ مسٹر اٹلی کو تاریخ ایک زبردست سیاستداں قرار دے گی جو اپنے قابل ساتھیوں کے ساتھ ہم آہنگی اور اتحاد سے کام کر سکتے ہیں۔ ان کی سیاست اپنی اگر مکمل ہے تو وہ چرچل کی سیاست سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

لکھنؤ کے ایک اخبار "پائنیر" نے اپنے اداریہ میں لکھا ہے کہ بلاشبہ ہندوستان کو اپنی موجودہ سیاسی منزل میں دولت مشترکہ کا رکن رہنے میں فائدہ ہے۔ گو یہ فائدہ زیادہ نہ بھی ہو تو مساوی ضرور ہے۔ ہندوستان کو دولت مشترکہ میں رکھنے کے لئے بلاشبہ پنڈت نہرو نے اپنی زبردست سیاستدانی کا مظاہرہ کیا ہے۔

عالمی امن کی تحریک

(بقیہ سلسلہ صفحہ اول)

انگرہینڈر نے گاندھی جی اور مغربی امن پسندی پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے مسٹر انگرہینڈر نے بتایا کہ آج دنیا جنگ، امن اور آہنسا جیسے اہم ترین مسائل سے دوچار ہے۔ دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ بڑے بڑے آدمیوں اور مذہبی رہنماؤں نے محکوم قوموں کو تشدد سے ہٹا کر امن اور آشتی کی طرف لے جانا چاہا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانیت کی داستان لاتعداد جنگوں سے بھری پڑی ہے اور بیسویں صدی کی دو جنگہائے عظیم نے ساری انسانیت کو تباہ و تاراج کر دیا۔ اس پر بھی ایک تیسری عالمگیر جنگ کے امکان کا اندیشہ کیا جا رہا ہے۔

آگے چل کر انھوں نے بیان کیا کہ اس دور کی خصوصیت یہ ہے کہ جہاں اس نے جوہری بم جیسا تباہ کن ہتھیار معلوم کیا وہیں ایک شخص کو بھی دیکھا جس نے تشدد کو ترک کر دیا اور انسان کی اخلاقی قوت پر اعتماد کرنے کی تلقین کی اسی لئے میں گاندھی جی کی صداقت کا ایک بے بہا ہتھیار سمجھتے تھے وہی دنیا کی ساری برائیوں کے لئے اکسیر ثابت ہو سکتا ہے۔

بنگال، بہار، پنجاب اور دہلی میں گاندھی جی کی قیام امن کی لاانتہا کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر انگرہینڈر نے بیان کیا کہ ان کے مر جانے کے بعد سے اب تک کوئی حادثہ نہیں ہوا۔

روس اور امریکہ متحد نہ ہو جائیں؟

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۳)

اگر روس اس بات پر مصر ہے کہ صرف دو ملک بات چیت کریں تو اندازہ ہے کہ حالات بدل جائیں گے۔

قومی زبان کا مسئلہ

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۵)

زبان کو وہ تعلق نہیں۔ بولی یا زبان کسی مذہب کا جزو نہیں ہوتی۔ جو تعلق آج اسلام اور اسلامی تصنیفات کو اردو زبان یا رسم الخط سے ہے وہ تھوڑے عرصہ بعد ہندی زبان اور ہندی رسم الخط سے بھی ہو سکتا ہے۔

ناظم اور صدر جمعیت دونوں حضرات نے پنت جی کے ارشاد کی تائید میں یہ سب کچھ فرمایا ہے۔ ناظم صاحب نے تو اردو کے تحفظ سے یہ کہہ کر پیچھا چھڑا لیا کہ اس کا تعلق مذہب سے نہیں ہے۔ لہٰذا اس کی بحث کے لئے جمعیت کے پلیٹ فارم پر گنجائش نہیں مگر مسلمانوں سے اس کے رابطہ کو قطع نہ کر سکے اور یہ کہہ کر قبول فرما لیا کہ یہ اسی ملک کی پیداوار ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جب عرب اور ایران سے اردو نہیں آئی اور اسی ملک میں مسلمانوں کے میل جول سے پیدا ہوئی ہے۔ اور اسے تباہ کرنے کی کوشش ہے۔ محض اس بنیاد پر کہ وہ مسلمانوں کی زبان ہے تو پھر اس کے تحفظ کے لئے جمعیت کا پلیٹ فارم کیوں ناموزوں ہے؟ اور کانگریس یا ہندوستانی پرچار سبھا کے پلیٹ فارم پر اس کی گرمجوشی تائید کون کرے گا۔ جبکہ جمعیت مسلمانوں کی واحد نمائندگی کی جگہ پر کھڑی ہوئی ہے۔

جناب صدر نے البتہ اسلام اور اسلامی تصنیفات کا علاقہ فی الوقت اردو سے قبول کیا ہے۔ مگر اس کی اہمیت یہ کہہ کر ختم کر دی کہ تھوڑے عرصہ بعد یہی علاقہ ہندی کا بھی ہو سکتا ہے کیا یہ ایسا آسان کام ہے کہ دو چار دن یا دو چار سال میں انجام

آج تو ہے؟ جب اس سے انکار نہیں تو پھر اس کی حفاظت کے لئے اپنی منتخبہ حکومت سے اصرار کرنے میں کیوں دریغ ہے۔

ہندو اکثریت اردو سے یوں دشمنی کرے کہ وہ مسلمانوں کی زبان ہے اور مسلمان ہمارا اس کے تحفظ سے یہ کہہ کر دامن بچائیں کہ اس کا علاقہ اسلام سے نہیں۔ تو پھر اردو کس کی زبان ہے اور اس کا تحفظ کون کرے گا۔ اور حکومت کے سامنے اس کے بچاؤ کے لئے کون ترجمانی کرے گا۔ یہ شک ہے کہ اردو سب کی اور مشترکہ زبان ہے لیکن اگر اسے مسلمانوں کی زبان ٹھہرا کر ملک کا ایک گروہ ختم کر دینا چاہتا ہے تو مسلمانوں کو اسے اپنی زبان کہنے اور اس کی حفاظت کے لئے کوششیں جاری رکھنے سے باز نہ رہنا چاہیئے۔

عدالت

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۲)

اگر تم کھانا نہیں چاہتے۔ اور از راہ کرم میرا یہ مت چراؤ۔ مجھے حیرانی اس بات کی ہے۔ کہ کیا تمہاری شادی اور یہ متانت ایسے ہی برقرار رہ سکتی تھی۔ اگر تم کو خون پسینہ ایک کرنے کے بعد ... روپیہ ہر مہینے کے آخر میں معاوضہ کے طور پر ملتے۔ اور اجازت ذکری سے علیحدہ کیا جاتا۔ صرف اس لئے کہ اپنی ہوٹلوں کو درندوں کے حوالے کرنا منظور نہ تھا۔

وہ زیادہ دن بیکار نہیں رہا۔ ان کے پاس کچھ زیورات تھے۔ ان کو بیچ کے اس نے کچھ رقم اکٹھا کی اور کاروبار کرنے لگا۔ ان کی کوئی دکان نہیں تھی کوئی دفتر نہیں تھا۔ وہ سفید بازار سے مال خرید کر کالے بازار میں فروخت کرنے لگا۔ کالا بازار۔ اس کے ہم پیشہ اور ساتھ کام کرنے والے اس شہر کے مشہور تاجر تھے۔ سیاستداں تھے۔ ہاں سیاستداں جو کہ اکثر کہا کرتے تھے۔ کاروبار اور سیاسیات دو جداجدا موضوع ہیں۔ ہم غریبوں کی سیوا کرتی ہے۔ اور .... وہ ہنستا تھا۔ دل کھول کر۔ جی بھر کر قہقہے مارتا تھا۔ تیری سیاست۔ تیری چوربازاری۔ تیرا کالا بازار۔ اس نے کیا کچھ نہیں کیا اس دوران میں ———

اور جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے۔ کہ مجھے ایک پولیس افسر نے مخاطب کیا اور صدر دروازہ کے داہنی طرف قطار میں کھڑے قیدیوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

نشان (۰۰۷۷) بی ایس مورخہ ۲۹ تیر ۱۳۵۵ف

اعلان: محکمہ معتمدی رسد حکومت حیدرآباد۔

بسلسلہ اعلان نشان (۱۲۰۱) مورخہ ۵/۱۲/۱۹۴۴ء مجریہ دفتر ہذا جمیع ذخیرہ داران ہنود کو مطلع کیا جاتا ہے کہ قبل ازیں دو لاکھ دس ہزار پلے ہنود کی برآمد برائے ادائی سیر چارج کا جو کوٹا مقرر کیا گیا تھا وہ مقدار چونکہ اب تک برآمد ہو چکی ہے اس لئے اب اس کی برآمد بند کی جاتی ہے فقط۔ (منجانب معتمد رسد)

نشان (   ) واقع مورخہ تیر ۱۳۵۵ف

اعلان: محکمہ معتمدی رسد حکومت حیدرآباد۔

بسلسلہ اعلان محکمہ ہذا نشان (۲۰۳) مورخہ ۱۷ اردی بہشت ۱۳۵۵ف ذریعہ ہذا جمیع تجار کو مطلع کیا جاتا ہے کہ بعض اجرائی وثائق سر چارج درخواستوں کی پیش کشی کی آخری تاریخ ۱۸ خورداد ۱۳۵۵ف مقرر کی گئی تھی۔ اب اس میں مزید ایکماہ کی توسیع کی جا کر پیش کشی درخواست کی آخری تاریخ ۱۸ تیر ۱۳۵۵ف مقرر کی جاتی ہے۔ (منجانب معتمد رسد)

اعلان:

ذریعہ ہذا جمیع مالکان ادارہ جات بشمول ہوٹل و ریسٹورنٹس و دواخانہ جات۔ اقامت خانہ جات۔ پس وکنٹینس۔ مجلس۔ یتیم خانہ جات مذہبی و خیراتی ادارہ جات کو مطلع کیا جاتا ہے کہ ادارہ جات کے راتب کارڈ کی مدت ۱۲ تیر ۱۳۵۵ف مطابق ۱۲ مئی ۱۹۴۶ء کو ختم ہو رہی ہے اس لئے ہفتہ نمبر (۲۶۰) کا فارم حاصل کرنے کے بعد راتب کارڈ محکمہ نظامت راتب بندی پر داخل کر کے اس کے معاوضہ میں جدید کارڈ حاصل کر لئے جائیں۔ مالکان ہوٹل و ریسٹورنٹس کو چاہیے کہ راتب کارڈز کے ساتھ اجازت نامہ جات سند روانی متعلقہ محکمہ جات بلدیہ و پولیس اور اجازت نامہ محکمہ راتب بندی کا بھی داخل کریں ورنہ جدید کارڈز اجرا نہ ہوں گے۔ فقط (منجانب ناظم صاحب راتب بندی)

دی کوآپریٹیو پریس لمیٹڈ میں طبع ہو کر دفتر مملکت سے شائع ہوا